صحیح تاریخ ولادت مصطفیٰ ﷺ

جشنِ میلاد، یومِ وفات پر

ایک تحقیق، ایک جائزہ

مرتبہ

حضرت مولانا محمد منیر قمر

ناشر

توحید پبلیکیشنز، بنگلور (انڈیا)

صحیح تاریخِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ

جشنِ میلاد؛ یومِ وفات پر؟

ایک تحقیق؛ ایک جائزہ

تحریر

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ،الخبر(السعودیه)

ناشر

توحید پبلیکیشنز، بنگلور

❖ نامِ کتاب صحیح تاریخِ ولادتِ مصطفیٰ ﷺ

جشنِ میلاد؛ یومِ وفات پر؟

ایک تحقیق؛ ایک جائزہ

❖ تالیف شیخ ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین حفظہٗ اللہ

❖ کمپوزنگ ابوصفیہ شاہد ستار

❖ طبع دوم سنہ ۱۴۲۵ھ / سنہ ۲۰۰۴ء

❖ تعداد ۲۰۰۰

❖ قیمت Rs.20=00

❖ ناشر توحید پبلیکیشنز، بنگلور (انڈیا)

❖ ھندوستان میں ملنے کے پتے ❖

1-توحید پبلیکیشنز، ایس.آر.کے.گارڈن

فون: ۲۶۶۵۰۶۱۸، بنگلور۔۰۴۱ ۵۶۰

2-چارمینار بک سنٹر

چارمینار روڈ، شیواجی نگر، بنگلور۔۰۵۱ ۵۶۰

3-میسور، فون: ۲۴۹۲۱۲۹

1-Tawheed Publications,
#43,S.R.K.Garden,P
Tel: 26650618
BANGALORE-560 041
2-Charminar Book Center
Charminar Road,Shivaji Nagar,
BANGALORE-560 051
3-Tel:2492129,Mysore.

Contact:Emailto:tawheed_pbs @hotmail.com

فہرستِ مضامین

نگاہِ اوّلین

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُہ' وَنَسْتَعِیْنُہ' وَنَسْتَغْفِرُہ' ،وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مِنْ یَّهْدِہِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَه' ،وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَلَا هَادِیَ لَه'، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہُ وَرَسُوْلُه'۔

اَمَّا بَعْدُ:

قارئینِ کرام! اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُه':

ہر سال ماہ ربیع الاول کی آمد پر اسلامیانِ برصغیر میں ایک بحث چھڑ جاتی ہے کہ عید میلاد النّبی ﷺ پر جشن وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اسکے ساتھ ہی ایک دوسری قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کس تاریخ کو ہوئی؟

زیرِنظر کتابچہ میں انہی دونوں سوالوں کا مدلّل جواب دیا گیا ہے، دراصل تو یہ ہماری چند ریڈیائی تقاریر ہیں جو ریڈیو متحدہ عرب امارات اُم القیوین کی اردو سروس سے کئی مرتبہ نشر ہوئیں۔اور یہی موضوع ہماری کتاب ''سیرۃ امام الانبیاء'' اور ''قبولیتِ عمل کی شرائط'' میں شائع ہو چکا ہے۔اور متعدد جماعتی پرچوں میں بھی قسط وار شائع ہوا ہے۔اب ہم اسے الگ مستقل رسالے کی شکل میں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ہم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے،اس توفیق پر شکر گزار ہیں۔اور دعاء گو ہیں کہ اسے شرفِ قبول سے نوازے اور پھر اپنے احباب میں سے حافظ ارشاد الحق صاحب (فاضل ،مدینہ یونیورسٹی، مقیم

الذید شارجہ) کے بھی ممنون ہیں کہ انھوں نے تقاریر کے اسکرپٹس کو مسلسل تحریر کی شکل میں منتقل کر دیا۔

اور اس کی طباعت وشاعت میں تعاون کرنے والے تمام احباب خصوصاً جناب رحمت اللہ خان صاحب (ایڈووکیٹ) اور جناب شاہد ستّار صاحب کے بھی تہہ دل سے احسان مند ہیں۔

جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْراً فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ.

سعودی عرب، الخبر	ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدّین
شبِ دوشنبہ	ترجمان سپریم کورٹ الخبر وداعیہ متعاون
۲/۵/۱۴۲۲ھ	مراکزِ دعوت وارشاد، الخبر، الدمام، الظہران
۲۳/۷/۲۰۰۱ء	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظہورِ قدسی
یا
نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد ارض وسماء کے رُوحانی تعلّق اور رشتۂ وحی کو منقطع ہوئے کم وبیش چھ سو سال گزر چکے تھے۔ پُوری دُنیا بالعموم اور ملک وقومِ عرب بالخصوص کچھ اس طرح کے مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی انحطاط سے دوچار تھی کہ پُورا عالمِ انسانیت ہی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھِر چکا تھا۔ انسان کا ضمیر مُرجھا چُکا تھا۔ تاریکیوں نے ہر پہلو سے بنی آدم کو گھیرے میں لے رکھا تھا اور روشنی کی کوئی کِرن دُور دُور تک نظر نہیں آتی تھی۔

خالقِ کائنات، مالکِ ارض وسماء کو اپنی اس مخلوقِ انسانی کے حال پر ترس آ گیا۔ رحمتِ الٰہی جوش میں آئی اور اس نے بھٹکی ہُوئی انسانیت کی رہنمائی کے لئے اولادِ ابراہیم خلیل اور نسلِ اسماعیل ذبیح علیہما السّلام سے نبی آخر الزّمان رحمۃً لِّلعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پَیدا فرمایا۔

آپ ﷺ کی ولادت کے اُس یومِ سعید کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''چمنستانِ دَہر میں بارہا رُوح پرور بہاریں آ چکی ہیں۔ چرخِ نادرۂ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ لیکن آج (یعنی ۹ ربیع الاوّل) کی

تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سال دَہر نے کروڑوں برس صَرف کردیئے۔سیّارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔چرخِ کُہن مدّت ہائے دراز سے اسی صبحِ جان نواز کے لیئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔کارکنانِ قضاء وقدر کی بزم آرائیاں،عناصر کی جدّت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں،اَبرو باد کی تردستیاں،عالمِ قُدس کے انفاسِ پاک،توحیدِ ابراہیم،جمالِ یُوسف،معجزطرازیٔ موسیٰ،جان نوازیٔ مسیح (علیہم السّلام) سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں قدر،شاہِ کونین (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے دربار میں کام آئیں گے''۔

آج کی صبح وہی صبحِ جاں نواز،وہی ساعتِ ہمایوں،وہی دورِفرخ فال ہے۔اربابِ سِیَر اپنے محدُود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ:

''آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے چَودہ کنگرے گِر گئے۔آتش کدۂ فارس بجھ گیا۔دریائے ساوہ خشک ہوگیا''۔ [1]

آگے علّامہ شبلی لکھتے ہیں: لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم،شوکتِ روم اور اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس ،گر پڑے۔آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیمِ شر،آتشکدۂ کفر، آذر کدۂ گمراہی سرد ہوکر رہ گئے۔صنم خانوں میں خاک اُڑنے لگی۔بُت کدے خاک میں مِل گئے۔شیرازۂ مجُوسیّت بِکھر گیا۔نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اُٹھا۔چمنستانِ سعادت میں بہار آ گئ۔آفتابِ ہدایت کی شُعاعیں ہر طرف پھیل گئیں۔اخلاقِ انسانی کا آئینہ پَرتوِ قُدس سے چمک اُٹھا۔(یعنی) یتیمِ عبداللہ،جگر گوشۂ آمنہ،

[1] مگر یاد رہے کہ یہ ارہاصاتِ نبّوت دلائل النبوّۃ میں امام بیہقی نے اور طبقات (۱/۶۳) میں ابنِ سعد وغیرہ نے ذکر کیئے ہیں۔
مگر علاّمہ محمد الغزالی نے اپنی کتاب ''فقہ السیرۃ'' میں ان تعبیرات کو غلط قرار دیا ہے۔(فقہ السیرہ بتخریج الالبانی ص۶۱ طبع مصر)

شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالم، شاہِ کونین، عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے عزّت واجلال ہوئے۔ [۲]

اور یہ تحقیق ہم آگے چل کر پیش کر رہے ہیں کہ ہئیت دانوں، موّرخوں اور سیرت نگاروں نے صحیح ترین تاریخِ ولادت ۹ ربیع الاوّل [۱] عام الفیل [۳] ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بروزِ پیر کو ہی صحیح قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ کی ولادت کے بعد سیّدہ آمنہ نے آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو پیغامِ مسّرت بھیجا۔ وہ خوشی خوشی گھر آئے۔ اپنے عُنفوانِ شباب میں داغِ مفارقت دے جانے والے بیٹے کی نشانی کو گود میں لیا اور خانہ کعبہ میں لے گئے۔ وہاں دُعاء مانگی اور واپس لائے۔ اور دادا نے ہی اپنے اس دُرِّ یتیم کا نام محمّد رکھا۔

اور سیرت ابن ہشام (۱/۱۵۹۔۱۶۰) میں لکھا ہے کہ:

آپ ﷺ کے دادا نے آپ ﷺ کی ولادت کے ساتویں دن آپ ﷺ کا حسبِ دستوُر ختنہ کیا۔ اور ساتویں دن ہی آپ ﷺ کا نام بھی رکھّا۔ [۴]

اور یہ بات جو عام مشہوُر رہے کہ نبی ﷺ مختُون پیدا ہوُئے تھے، اس کے بارے میں علامہ ابن قیّم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

---

[۲] سیرت النّبی ﷺ علاّمہ شبلی ۱/۱۷۰ تا ۱۷۱

[۳] ترمذی شریف میں قیس رضی اللہ عنہ بن مخرمہ کے الفاظ ہیں ''وُلِدْتُ اَنَا وَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَامَ الْفِيْلِ'' اسی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قباث رضی اللہ عنہ بن اشیم سے پوچھا: اَنْتَ اَكْبَرُ أَمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ''تم بڑے یا رسول اللہ ﷺ؟'' توانھوں نے کمالِ اَدب سے جواب دیا: رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَكْبَرُ مِنِّيْ وَاَنَا اَقْدَمُ مِنْهُ فِي الْمِيْلَادِ ''مجھ سے بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں البتہ میں آپ ﷺ سے پہلے پیدا ہوا تھا''۔ (ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ۱۰/۸۸ تا ۸۹، حدیث ۳۶۹۸، طبع مدنی)

[۴] تفصیل کے لئے دیکھئے زاد المعاد، ۱/۸۱ تا ۸۲ بہ تحقیق الارناؤوط طبع قطر۔

وہ حدیث صحیح نہیں بلکہ ابن الجوزی نے اسے موضوعات (من گھڑت روایات) میں بیان کیا ہے. اس سلسلے میں کوئی بھی حدیث صحیح ثابت نہیں. اور یہ کوئی خاصۂ رسول بھی نہیں، کیونکہ کتنے ہی اور لوگ بھی مختون پیدا ہو چکے ہیں۔ [۵]

ایسے ہی اور بھی بہت سے امور مثلاً حملِ آمنہ، شبِ ولادتِ رسول ﷺ میں ارہاصات وخوارق کتبِ تاریخ وسیرت میں بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں سے کچھ غلو کا نتیجہ ہیں تو کچھ رواۃ کے تساہلِ قبول کا۔ کچھ روایات ضعیف ہیں اور کئی موضوع ہیں۔ اسی لئے ہم نے ان سے صَرفِ نظر کر رہے ہیں۔ کیونکہ جب صحاح وحسان میں کفایت ہے تو ضعاف وموضوعات کی کیا حاجت؟

۵۔ فقہ السیرۃ غزالی ص ۶۱۔

عِید میلاد کے نام پر کی جانے والی یہ خُوشیاں ولادت پر ہیں یا وفات پر؟

ماہ ربیع الاول عید میلاد النّبی ﷺ کا جشن منایا جاتا ہے، جبکہ عید میلاد النّبی منانے یا نہ منانے کے مسئلے سے پہلے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کب ہوئی؟ اور آپ ﷺ نے کس دن وفات پائی؟ تاکہ کہیں غلطی سے آپ ﷺ کی وفات پر خوشیاں منانے کا نادانستہ جُرم نہ کرتے رہیں۔

اس سلسلے میں یہ بات تو تمام مؤرخین اور سیرت نگاروں میں متفق علیہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن پیر ہے۔ اور اصحابِ تاریخ وسِیَر پر ہی بس نہیں، خود نبی ﷺ کی ایک صحیح حدیث مسلم شریف میں موجود ہے۔ جسمیں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

نبی ﷺ سے پیر کے روزے کے بارے میں پُوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:-

((ذٰلِكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيه اَوْاُنْزِلَ عَلَيَّ فِيْهِ))

(مسلم عن ابی قتادہ)

"یہ وہ دن ہے جس میں مَیں پیدا ہؤا، اور اسی دن میں مبعُوث ہؤا یا مجھ پر وحی نازل کی گئی۔"

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:۔

﴿وُلِدَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الإِثْنَيْنِ وَ اسْتُنْبِئَ يَوْمَ الاِثْنَيْنِ وَ تُوُفِّيَ

يَوْمَ الإِثْنَيْنِ وَ خَرَجَ مُهَاجِراً مِنْ مَكَّةَ اِلٰى الْمَدِيْنَةِ يَوْمَ الإِثْنَيْنِ وَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ يَوْمَ الاِثْنَيْنِ وَ رَفَعَ الْحَجَرَ يَوْمَ الإِثْنَيْنِ ﴾[٦]

''نبی اکرم ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے اور پیر کے دن نبوّت کا اعلان کیا۔اور پیر کے دن ہی وفات پائی اور پیر کے دن نبی اکرم ﷺ مکّہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے لیئے روانہ ہوئے اور پیر کے دن مدینہ منوّرہ پہنچے اور پیر کے دن حجر اسود کو اٹھایا۔''

رہا معاملہ تاریخِ ولادت کا،تو اس کے بارے میں خود آپ ﷺ سے تو کوئی روایت نہیں ملتی۔البتہ سیرت ابن اسحاق کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے، کہ آپ ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔جس سال کہ ہاتھی والے ابرہہ اور اس کے لشکر نے بیت اللہ شریف پر حملہ کیا، اور غضبِ الٰہی کا شکار ہوئے تھے۔ [٧]

اور امام سہیلیؒ نے نقل کیا ہے کہ:

''ہاتھی ماہِ محرّم میں مکّہ آیا تھا۔اور آپ ﷺ اس واقعہ کے پچاس دن بعد پیدا ہوئے تھے''۔جبکہ ان امام سہیلیؒ اور محمدؒ بن اسحاقؒ کے بقول جمہور اہلِ علم کا مسلک یہی ہے۔ [٨]

مشہور مفسر اور مورّخِ کبیر حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ

٦۔قال الهيثمى فى مجمع الزوائد رواه احمد والطبرانى فى الكبير وزادفيه: فَتَحَ بَدْرًايَوْمَ الاِثْنَيْنِ وَ نَزَلَتْ سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ يَوْمَ الاِ ثْنَيْنِ (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ) وفيه ابن لهيعه و هو ضعيف (اى لانه عنعن وبقية رجاله ثقات من اهل الصحيح) انظر الفتح الربّانى للعلّامه احمد عبدالرحمٰن البناء ٢٠/ ١٨٩.

٧۔وہ روایت یوں ہے:عن قیس بن مخرم......قال:وُلِدْتُّ أَنَا وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَامَ الْفِيْلِ فَنَحْنُ لِدَانٌ وُلِدْنَا مَوْلِداً وَاحِداً. (ابن اسحاق بہ سندِ جیّد کذا قالہ البناء فی الفتح الربّانی ٢٠/١٩٠)

قیس بن مخرم بیان کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی سال عام الفیل میں پیدا ہوئے۔

٨۔الفتح الربّانی للبناء ٢٠/١٩٠

جمہور اہلِ علم کا مسلک یہ ہے کہ آپ ﷺ ماہِ ربیع الاوّل میں پیدا ہوئے لیکن یہ کہ آپ ﷺ اس ماہ کے اوّل، آخر، وسط یا کس تاریخ کو پیدا ہوئے؟ اسکے بارے میں مورّخین اور سیرت نگاروں کے بکثرت اقوال نقل کیئے ہیں کسی نے دو ربیع الاوّل کہا ہے، کسی نے آٹھ، کسی نے دس، کسی نے بارہ، کسی نے سترہ اور کسی نے اٹھارہ اور بعض نے بائیس ربیع الاوّل کہا ہے۔

اوران سب میں سے راجح قول دو ہیں۔

ایک بارہ ربیع الاوّل کا اور دوسرا آٹھ ربیع الاوّل کا۔

اور صاحب البدایہ نے آٹھ ہی کو راجح قرار دیا ہے۔ جو امام حمیدی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے اور کئی دیگر آئمہ نے اسی کی تائید کی ہے۔ ۹

امام طبریؒ اور امام ابن خلدونؒ نے بارہ ربیع الاوّل کو اختیار کیا ہے۔ ۱۰

اور امام ابن الجوزیؒ نے الوفا باحوال المصطفٰی (۱/۱۵۴ طبع الریاض) میں دس ربیع الاوّل کو اوّلیت دی ہے۔

جبکہ ماضی قریب کے دو عظیم سیرت نگاروں میں سے علاّمہ قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب رحمۃٌ للّعالمین میں اور علاّمہ شبلی نے سیرت النّبی میں ۹ ربیع الاوّل بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو ازروئے تحقیق جدید صحیح ترین تاریخِ ولادت قرار دیا ہے۔ ۱۱

اسی تاریخ کو محمد طلعت عرب نے تاریخ دول العرب میں صحیح قرار دیا ہے۔ ۱۲

اور مصر کے معروف ماہر فلکیات اور معروف ہیئت دان محمود پاشا فلکی نے اپنی کتاب ''التقویم

۹۔ البدایۃ والنہایۃ امام ابن کثیر ۲/۲۵۹ تا ۲۶۲

۱۰۔ بحوالہ رحمۃٌ للّعالمین علاّمہ قاضی سید سلیمان منصور پوری ۱/۴۰ حاشیہ۔

۱۱۔ شبلی ۱/۱۷۱، قاضی ۱/۴۰۔

۱۲۔ بحواله قاضی ۱/۴۰ حاشیه و ۲/۳۶۷ ایضاً و انظر محمد " القدوة الكاملة" ص ۷ طبع وزارة العدل والشئون الاسلاميه دبئی.

العربی قبل الاسلام وتاریخ میلادِ الرسُول وہجرتہٖ'' میں دلائل ریاضی کی رُو سے متعدّد زائچے بنا کر ثابت کیا ہے کہ:

عام الفیل ماہِ ربیع الاوّل میں یوم الاثنین کی صحت کے پیشِ نظر اور فرزندِ رسول ﷺ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے یومِ وفات پر سُورج گرہن لگنے کے حساب کو مدِّ نظر رکھا جائے تو آپ ﷺ کی ولادت کی صحیح تاریخ ۹ ربیع الاوّل ہی آتی ہے، جبکہ شمسی عیسوی تقویم کے حساب سے آپ ﷺ کی ولادت کا وقت ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بروزِ پیر کی صبح بنتا ہے۔ [۱۳]

محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحوں میں آیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

❶ صحیح بخاری میں ہے کہ ابراہیم ؑ (آنحضرت ﷺ کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب میں گہن لگا تھا۔ اور یہ ۱۰ ہجری تھا اور اس وقت آپ ﷺ کی عمر کا تریسٹھواں (۶۳) سال تھا۔

❷ ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ ہجری کا گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو آٹھ بج کر تیس منٹ پر لگا تھا۔

❸ اسی حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری تریسٹھ برس پیچھے ہٹیں تو آپ ﷺ کی پیدائش کا سال

۵۷۱ء ہے، جس میں ازرُوئے قواعدِ ہیئت ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔

❹ تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاوّل کا مہینہ اور دوشنبہ یعنی پیر کا دن تھا۔ اور تاریخ آٹھ سے لے کر بارہ تک میں منحصر ہے۔

❺ ربیع الاوّل مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن صرف نویں تاریخ کو پڑتا ہے۔ ان وجوہ کی

۱۳۔ حدائق الانوار ۱/ ۲۹ طبع قطر عن التقویم العربی ۳۶ تا ۳۹

بناء پر تاریخِ ولادت قطعاً ۲۰ / اپریل ۵۷۱ء تھی۔ اور ربیع الاوّل کی نو تاریخ۔ اور بارہ ربیع الاوّل کی روایت مشہور تو ہے مگر وہ حساب سے صحیح ثابت نہیں ہوتی (بحوالہ سیرت النبی ۱/۱۷۱-۱۷۲، طبع قرآن محل، کراچی)

اس سب تفصیل سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی پیدائش ۱۲/ ربیع الاوّل کو نہیں، بلکہ صحیح تاریخ ۹/ ربیع الاوّل ہے۔ ہاں آپ ﷺ کی وفات ضرور ۱۲/ ربیع الاوّل کو ہوئی تھی، جیسا کہ معروف کتبِ تاریخ وسیَر سے معلوم ہوتا ہے، جس کی مفصّل تحقیق کا یہ موقع نہیں۔ یہاں صرف ہمیں اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ ہمارے بھائی جس تاریخ کو خوشیاں مناتے ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کا یومِ پیدائش نہیں، بلکہ یومِ وفات ہے۔ اور چند سال پہلے بلکہ آج تک بارہ وفات کے نام سے مشہور رہے۔ تو وفاتِ سرورِ کائنات ﷺ پر خوشیاں؟

ایں چہ بوالعجبی است؟

اللہ تعالیٰ اس پہلو پر توجہ دینے اور سوچنے کی توفیق بخشے۔ آمین

مروّجہ میلاد النّبی ﷺ کی شرعی حیثیّت کتاب وسُنّت کی روشنی میں

پورے عالم کے مسلمانوں اور بالخصوص اسلامیانِ برِّصغیر کا ایک طبقہ اس بات کا عادی ہو چکا ہے کہ بارہ ربیع الاوّل کو عید میلاد النّبی ﷺ کے نام سے جشن منائے اور جلوس نکالے۔ اَکل وشرب کی دعوتیں کرے اور قوالیاں سُنے .جبکہ دوسرا طبقہ اس جشن کو شرعاً ناجائز قرار دیتا ہے۔

اس مختلف فیہ مسئلہ اور ایسے ہی دیگر اختلافی مسائل کے سِلسلہ میں قرآن پاک نے ہمیں کئی بہترین اصُول دیئے ہیں: جن میں سے پہلا اصول یہ ہے کہ:

ا۔☆ تنازعات کو اوّل تو سرے سے ہوا ہی نہ دی جائے ،تاکہ اُمّت کی اجتماعی قوت میں کمزوری نہ پیدا ہو۔جیسا کہ سورۃ الانفال آیت ۴۶ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اَطِیْعُوْ اللّٰہ وَ رَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَا زَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَب رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہ مَعَ الصَّابِرِیْنَ﴾

’’اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں جھگڑو نہیں ، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی۔اور تمہاری ہَوا اُکھڑ جائے گی۔صبر سے کام لو۔یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘

۲۔☆ اور دوسرا اصول ہے کہ اگر کبھی کسی معاملہ میں اختلاف ہو ہی جائے تو اس چیز کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عدالت میں لے جاؤ اور وہاں سے جو فیصلہ صادر ہو،اسے قبول کرلو۔جیسا کہ سورۂ النساء آیت ۵۹ میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾

''پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی ایک صحیح طریقِ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔''

۳۔☆ اور اس سلسلہ میں تیسرا اصول یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ فیصلہ کر دیں تو اسے بلا چُون و چرا قبول کر لینا ہی ایمان کی سلامتی کا ضامن ہے۔

جیسا کہ سورۃ النساء آیت ۶۵ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

''(اے پیغمبر) تیرے پروردگار کی قسم، وہ مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے جھگڑوں کا فیصلہ تجھ سے نہ کروائیں اور پھر تیرے فیصلے سے ان کے دِلوں میں کچھ اُداسی نہ ہو، بلکہ (خوشی خوشی) مان کر منظُور کر لیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلے کے خلاف دل میں ذرّہ بھر بھی تنگی اور نا پسندیدگی کی جائے تو یہ ایمان کے منافی ہے۔

چنانچہ ایک حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

﴿لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ﴾ [۱۴]

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس میرے لائے ہوئے طریقے (دین) کے تابع نہ ہو۔

اور سورۃ احزاب آیت ۳۶ میں فرمایا:

۱۴۔ ابن کثیر آیت وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ (الاحزاب الایۃ:۳۶)

۴۔☆ جب اللہ اور رسُول کوئی فیصلہ کر دیں تو پھر کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی مرضی سے کوئی اور راہ اپنائے، بلکہ اُس فیصلے کو قبول کرنا ہی ہوگا چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾

اور کسی مَرد یا عورت کے لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کسی بات کا حکم کر دیں تو پھر ان کو اس بات میں کوئی اختیار ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فرمان نہ مانے (اور دوُسروں کی رائے پر چلے) تو وہ کُھلا گمراہ ہو چکا۔ ۱۵

اللہ تعالیٰ کے عطا فرموُدہ اصُول (اپنے تنازعات کو اللہ اور اس کے رسُول کی طرف پھیر دو) کے پیشِ نظر جب اس جشنِ میلاد جیسے اختلافی مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لیئے کتابِ الٰہی کو کھولیں۔اس کے تیس پاروں یا ایک سَو چَودہ سُورتوں کو اوّل تا آخر پڑھ جائیں.آپ کو کوئی ایک بھی ایسی آیت نہیں ملے گی.جس سے مروّجہ جشن منانا ثابت ہو.لہٰذا عدالتِ الٰہی کا فیصلہ میلاد منانے والوں کے حق میں نہ ہوُا،اور جس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا،اسے سرانجام دے کر اجر وثواب کی توقّع رکھنا کارِعبث ہے۔

اور جب ہم ارشادِ الٰہی کے مطابق دوسرے ثالث یا عدالتِ مصطفٰے ﷺ کا رُخ کرتے ہیں.تو آپ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ اور سیرتِ عطرہ کا مطالعہ یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ آپ ﷺ نے نہ خود اپنی ولادت کے دن جشن منایا،اور نہ ہی اس بات کا کسی کو حُکم فرمایا ہے.

۱۵۔اس سے معلوم ہوا کہ کسی آیت یا حدیث کے مقابلے میں کسی مجتہد کی رائے پر عمل نہیں کرنا چاہئے، بلکہ جو نہی کوئی آیت یا حدیث ملے، اُسے سرآنکھوں پر رکھیں اور مجتہد کی رائے صد احترام کے باوجود ترک کر دیں۔ کیونکہ اسی میں ایمان کی سلامتی اور گمراہی سے بچاؤ ہے۔

اور یہ بات بھی نہیں کہ آپ ﷺ نے شائد غربت وافلاس کی وجہ سے ایسا نہ کیا ہو. بلکہ اگر آپ ﷺ کی مکّی زندگی کو محدود معنوں میں قدرے تنگدستی کی زندگی بھی سمجھ لیا جائے تو ہجرتِ مدینہ کے بعد دس سال کے دَوران آپ ﷺ دولتِ اسلامیہ کے بانی وحاکم ہوگئے تھے۔عرب وعجم اور ممالکِ مشرق ومغرب کے تمام خزانے آپ ﷺ کے قدموں میں ڈھیر ہوگئے تھے۔مگر اس فارغ البالی کے باوجود بھی آپ ﷺ نے تادمِ آخر کسی سال بھی اس قِسم کی عِید اور جشن نہیں منایا تھا۔اور جب خود صاحبِ میلاد نے ایسا نہیں کیا۔اور نہ ہی کرنے کا حکم دیا،تو ایسے کام کو سرانجام دینا کس طرح نیکی وثواب ہوسکتا ہے؟

اگر اس کام میں نیکی وثواب ہوتا یا کوئی بھی دینی یا دنیوی فائدہ ہوتا تو آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ضرور اس کا حکم دے دیتے ، کیونکہ آپ ﷺ کی شان میں تو خود اللہ تعالیٰ نے سُورۃ التوبہ آیت ۱۲۷ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

”دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تمہیں میں سے ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے۔تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے۔ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے“۔

ایسے شفیق نبی ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی نیکی سے کیسے محروم رکھ سکتے تھے؟ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے قولاً اور فعلاً دو ہی عیدوں کا پتہ چلتا ہے ، جو عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہیں۔اور تیسرے نام کی عید کا تصوّر تک نہیں ملتا۔البتہ آپ ﷺ کے بعض ارشادات میں یومِ جمعہ کو عید بلکہ دونوں معروف عیدوں سے بھی افضل قرار دیا ہے۔

بہرحال موقع ہونے اور کوئی امرِ مانع بھی نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ کا نہ خود جشن منانا، نہ اس کا حکم دینا، اس بات کا واضح ثبُوت ہے کہ یہ کوئی کارِ خیر نہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ائمہ اَربعہؒ کی نظر میں

کتاب اللہ اور سُنّتِ رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں مروّجہ جشنِ میلاد النّبی کی شرعی حیثیت کے بارے میں واضح ہوگیا کہ یہ نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ سے، نہ قولاً اور نہ عملاً۔ سنن اربعہ میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

﴿وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً (بَلِيْغَةً) وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ وَ ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ،كَاَنَّهَامَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا، قَالَ:اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِعَزَّوَجَلَّ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَاِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَىٰ اِخْتِلَافاً كَثِيْراً۔فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِا لْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَ اِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ،فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِى النَّارِ﴾ [۱۶]

’’ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسا پُر اثر وعظ فرمایا،جس سے

---

[۱۶] قرطبی ۷/۱۳۸تا۱۳۹ عن الترمذی وابن ماجہ،قال ابوبکر جابر الجزائری فی رسالته(الانصاف فیما قیل فی المولدمن الغلو والاجحاف)ص ۳۲.رواه اصحاب السنن وهو صحیح الاسناد وانظر ایضاً الترغیب والترهیب للمنذری.بتحقیق محمد محی الدین ۱/ ۵۸ حیث قال: رواه ابوداؤد والترمذی وابن ماجه وابن حبان.

ہمارے دل خوف زدہ ہوگئے اور آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ہم نے عرض کیا! یہ تو گویا الوداعی وعظ معلوم ہورہا ہے۔ہمیں وصیّت فرمائیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں تقویٰ (اللہ کے خوف) اور سمع وطاعت کی تاکید کرتا ہوں۔اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام امیر بنادیا جائے۔پس تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت بڑے بڑے اختلافات کو دیکھے گا (یعنی اختلافات سے دوچار ہوگا) پس تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سُنّت پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔اور (اس سُنّت) کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھو۔اور دین میں نئی نئی باتیں داخل کرنے سے بچو اور ہر نئی بات (دین میں داخل کرنا) بدعت ہے۔اور ہر بدعت گمراہی ہے۔اور ہر گمراہی آگ میں (لے جانے والی) ہے۔''

اور مسلم شریف میں ہے:

﴿اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِہٖ، اَمَّا بَعْدُ۔ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَ خَیْرَ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ ﷺ۔ اَمَّا بَعْدُ، وَشَرَّالْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَ کُلَّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ:﴾

''بے شک رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے۔بہترین حدیث اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔اور بہترین طریقہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔اور بدترین کام وہ ہیں جو (دین میں) نئے ایجاد کئے گئے۔اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔(مسلم، عن جابر ابن عبداللہ)

وفی روایۃ النّسائی:

﴿وَکُلَّ مُحْدَثَۃٍ بِدْعَۃٌ وَکُلَّ بِدْعَۃٍ فِی النَّارِ۔﴾

''اور ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت آگ میں (لے جانے والی) ہے''۔

نسائی کے علاوہ سُنن اربعہ، مُسند احمد، ابی یعلی اور طبری کی متقارب الفاظ والی (ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا ہے:)

﴿اِفْتَرَقَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی إِحْدَی وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً وَافْتَرَقَتِ النَّصَارٰی عَلٰی اِثْنَیْنِ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَةً وَسَتَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ عَلٰی ثَلَاثٍ وَ سَبْعِیْنَ فِرْقَةً کُلُّهَا فِی النَّارِإ لَّا وَاحِدَةً قَالُوْا: مَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ:مَنْ کَانَ عَلٰی مِثْلِ مَا اَنَا عَلَیْهِ . (وَفِیْ رَوَایَةٍ: اَلْیَوْمَ) وَاَصْحَابِیْ.﴾ [17]

''یہوُد اِکہتّر فرقوں میں اور نصاریٰ بہتّر فرقوں میں بٹ گئے.اور یہ میری امّت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی۔اوران میں سے ایک کے سوا باقی سب جہنّمی ہوں گے.صحابہ کرام رضی للہ عنہم نے پوچھا: کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: نجات وہ لوگ پائیں گے جن کا عمل مجھ جیسا اور میرے صحابہ جیسا ہوگا۔''

اور ایک روایت کے مطابق: ''اور میرے صحابہؓ کے آج کے عمل جیسا ہوگا۔''

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے کتاب وسُنّت کے بعد خلفاءِ راشدین

[17] مشکاۃ بتحقیق الالبانی ۱/ ۶۱ للتفصیل المرعاۃ للعلامہ عبیداللہ رحمانی ۱/ ۲۶۹تا ۲۷۹ طبع مکتبہ اثریہ ، سانگلہ ہل (شیخوپورہ). صحیح ابی داوٗد (۳۸۴۲)، صحیح الترمذی (۲۱۲۸) ،ابن ماجہ (۳۹۹۱-۳۹۹۲)، موارد الظمآن ۔ابن حبان (۱۸۳۴)، مستدرک حاکم ۱/ ۱۲۸ مسند احمد ۲/ ۳۳۲ صحیح الجامع للالبانی (۱۰۸۲-۱۰۸۳)، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ (۲۰۳، ۱۴۹۲) یہ حدیث حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اور عام صحابہ کے طریقے کو بھی معتبر اور ذریعۂ نجات قرار دیا ہے۔اور جب ہم خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیاتِ طیّبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو بکثرت واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے ایک اشارۂ ابرُو پر اپنا مال و جان قربان کرنے کے لیئے بیتاب رہتے تھے۔آپ ﷺ کو دل و جان سے چاہتے تھے۔آپ ﷺ کے احکام وارشادات پرعمل پیرا ہونا اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے۔بلکہ آپ ﷺ کی سُنّت پر مَر مٹتے تھے۔

لیکن جب ہم اس مروّجہ عید میلاد کو تلاش کرتے ہیں تو ان کی زندگیوں میں اس کا کہیں سراغ تک نہیں ملتا۔نہ خلیفہءاوّل حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، نہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں، نہ حضرت عثمان ذوالنّورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں، نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں اور نہ ہی ایک لاکھ چالیس ہزار سے بھی زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے قول وعمل سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔اور جو عمل موقع اور گنجائش ہونے اور ممانعت بھی کوئی نہ ہونے کے باوجود رسول کے شیدائیوں اور مصطفیٰ ﷺ پہ مر مٹنے والوں کی نظروں سے پوشیدہ رہا ہو۔وہ یقیناً شریعتِ اسلامیہ کا جزء نہیں ہوسکتا۔یا پھر ہمیں اس بدگمانی کا کھل کر اظہار کر دینا چاہیئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو **نعوذ باللہ** نبی اکرم ﷺ سے محبت نہ تھی یا کم از کم اتنی نہ تھی جتنی آج کے جشن منانے والوں کو ہے۔

بخاری ومسلم شریف میں ارشادِ نبوی ہے:۔

﴿خَيْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ۔ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُم﴾ [۱۸]

’’تمام زمانوں سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد والے ہیں۔اور پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد والے ہیں۔‘‘

۱۸۔متفق علیہ، مشکاۃ ۱۶۹۵/۳ بتحقیق الالبانی

یہاں آپ ﷺ نے قیامت تک آنے والے لوگوں میں سے اپنے اور اپنے صحابہ، پھر تابعین اور اس کے بعد تبع تابعین کے تین زمانوں کو قرونِ خیر قرار دیا ہے اور اس میلاد النّبی کے بارے میں صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی سے کچھ منقول نہیں کہ ان تینوں صدیوں میں ہی کسی نے یہ عیدِ ثالث منائی ہو۔

اور بالآخر چار معروف فقہی مذاہب کے ائمہ مجتہدین حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی اجتہادی مساعی اور کتبِ فقہ کا مطالعہ کریں۔ آپ کو کسی امام صاحب کے یہاں اس عید کا ذکر نہیں ملے گا۔ اور نہ دیگر فقہاء و محدّثین میں سے کسی نے اس کا حکم دیا ہے۔

تو پھر صاحبو! جو چیز خیر سے بھرے ہوئے تین زمانے بلکہ اسلام کے پہلے چھ سَو پچّیس (۶۲۵) برس تک موجود نہ تھی، اُسے جائز و ثواب قرار دینا شریعت سازی اور سِینہ زوری کے سِوا کچھ نہیں۔

اور جشنِ میلاد کی حیثّیت اس وقت اور بھی خطرناک ہو جاتی ہے جب اس میں راگ رنگ اور گانے بجانے کا عنصر شامل ہو جائے، چاہے اسے قوّالی کہیں یا کوئی بھی نام دے لیں۔ اور جب جلوُسوں میں مَردوزن کا اختلاط ہو تو وہاں کیا کیا برائیاں جنم نہ لیں گی۔ اور پھر ذِکر و دعاء کے اپنے بنائے ہوئے طریقے جن میں کسی کو بدعت کہا جا سکتا ہے تو کئی شرک پر منتج ہوتے ہیں۔ جیسے دُعاء و ندائے غیر اللہ وغیرہ۔ اسی طرح ان جلسے جلوسوں میں نبی اکرم ﷺ کی شان میں غلّو کیا جاتا ہے، یہاں تک کے آپ ﷺ کو مقامِ الوُہیّت بلکہ اس سے بھی اُوپر چڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک جاہلانہ شِعر ہے ؎

اللہ کا پکڑا چھڑائے محمدؐ محمدؐ کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

یہ حد سے زیادہ بڑھانا، اسی غلُو کی ایک مثال ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کو نُورِ مجسّم اور عالمِ غیب ثابت کرنا وغیرہ بھی ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

قائلینِ عید میلاد النّبی ﷺ کے دلائل اور اُن کا جائزہ

ہم عید میلاد النّبی کی شرعی حیثیت کے بارے میں ذکر کر آئے ہیں کہ اس کا عہد رسالت وخلافت اور دورِ صحابہ وتابعین سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ ساتویں صدی ہجری (۶۲۵ھ) میں سلطان صلاحُ الدین ایوُّبی کے بہنوئی، اور موصل کے قریبی شہر اَربل کے گورنر ملک مظفّر ابوسعید کوکبری نے اسے رواج دیا۔ وہ محفلِ میلاد میں بھانڈ، مراثی، راگ ورنگ اور ناچنے والوں کو جمع کرتا، اور راگ سُنتا اور گانا باجا سُن کر خود بھی ناچا کرتا تھا۔ [۱۹]

اور مُولف الابداع فی مضار الابتداع نے لکھا ہے:

عیسائیوں کے کرسمس کی دیکھا دیکھی میں مصری فاطمیوں نے جشنِ میلاد کو رواج دیا تھا۔ [۲۰]

اور قرونِ اُولیٰ میں اس کا ثبوت نہ ہونے اور ساتویں صدی میں آ کر شروع ہونے کی وجہ سے ہی اہلِ علم نے اسے ''بدعت'' قرار دیا ہے۔ [۲۱]

اس میلاد کے جواز کا فتویٰ سب سے پہلے مَلک مظفر کے عہد کے ایک مولوی شیخ ابوالخطاب ابن

۱۹۔ البدایہ والنہایہ ۱۳/۷ ، ۱۳۶ تا ۱۳۷ طبع المعارف بیروت۔ الانصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والجحاف لابی بکر جابر الجزائری، ص ۳۱ ، ۳۴ طبع جمعیۃ احیاء التراث، کویت.

۲۰۔ بحوالہ کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق للشیخ عبداللہ آل محمود، ص ۵۰ طبع قطر.

۲۱۔ دیکھئے مقالہ شیخ ابن باز، مجلّہ الجامعۃ الاسلامیۃ، مدینہ منوّرہ، ج ۵/ شمارہ ۴/ مجریہ ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء۔ وفتاویٰ المنار، محمد رشید رضا، علامۂ مصر، ج ۵ ص ۲۱۱۱ فتویٰ نمبر ۷۶۵

دحیہ نے ایک رسالے ''التنویر فی مولد البشیر النذیر'' میں دیا۔

جس کی تالیف پر اسے ملک مظفر نے ایک ہزار دینار انعام دیا تھا۔ ۲۲

اور اس مولوی ''ابن دحیہ'' کو کبار علماءِ حدیث نے کذّاب، نا قابلِ اعتبار، غیر صحیح النسب، بے تکی اور فضول باتیں کرنے والا قرار دیا ہے۔ جس کی تفصیلات البدایۃ والنہایۃ (۱۳۷/۱۳/۷) اور لسان المیزان (۲۹۶/۴-۲۹۷) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ایسے اوٹ پٹانگ مولوی کے فتوے کی جو حیثیت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔ اور پھر اس کے پیچھے مولویوں کی ایک بھیڑ لگ گئی، اور متأخرین میلادیوں نے اس کے جواز کے جو دلائل دیئے ہیں ان کے ذکر اور ان پر بحث و تنقید کے لئے تو ایک طویل مقالہ درکار ہے۔ البتہ یہاں محض اشاروں میں مختصراً عرض کر رہے ہیں۔ مثلاً:

❶ اعتراض:

کہا جاتا ہے کہ اگر میلاد بدعت ہے تو یہ بدعتِ حسنہ ہے۔ اور اس کی کئی مثالیں سابق میں پائی گئی ہیں۔ جیسا کہ نمازِ تراویح کی جماعت ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ سے تو صرف تین دن با جماعت ثابت ہے۔ پھر عہدِ فاروقی میں حضرت عمرؓ نے پورا مہینہ جماعت کا اجراء کیا اور با جماعت نماز ادا کرتے لوگوں کو دیکھ کر فرمایا:

﴿نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هَذِهِ۔﴾ ''یہ اچھی بدعت ہے۔''

اسی طرح ہی میلاد بھی ہے۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ نمازِ تراویح کو بدعت کہنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ بدعت تب ہوتی جب اس کا نبی کریم ﷺ سے کوئی ثبوت ہی نہ ملتا۔ حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ دیگر کتبِ حدیث کے علاوہ خاص

۲۲۔ البدایہ والنہایہ ۱۳۷/۱۳/۷۔ الانصاف ۳۵/۳۴۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مَروی حدیث میں مذکور ہے کہ تین دن نبی اکرم ﷺ نے باجماعت تراویح پڑھائی، لیکن چوتھے دن تراویح کی جماعت کے لیئے آپ ﷺ تشریف نہ لائے جس کا سبب یہ بتایا:

﴿خَشِيتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا﴾

پھر جب نبیِ کریم ﷺ اس دُنیا سے تشریف لے گئے اور تراویح کی فرضیّت کا خدشہ زائل ہوگیا، تو فراستِ فاروق رضی اللہ عنہ نے الگ الگ تراویح پڑھنے کی بجائے اتفاق واتحاد کی برکت کے پیشِ نظر نبی ﷺ کی سُنّت کے مطابق باجماعت ادائیگی کا اجراء فرمایا۔ اورانھوں نے اپنے ارشاد میں بدعت کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے وہ بھی اپنے متبادر ومعروف معنوں میں نہیں ہے، بلکہ یہ مشاکلہ (یعنی شکلاً ملتا جلتا) ہے۔ جو کہ عربوں میں معروف تھا کہ ایسا لفظ استعمال کرنا جس سے اس کا اصل معنیٰ نہیں بلکہ کوئی دوسرا معنیٰ مراد ہوتا ہے۔

خودقرآنِ کریم میں اس مشاکلہ کی مثال موجود ہے۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۳۸ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾

''اللہ کا رنگ (دینِ اسلام) اختیار کرو اور اللہ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا؟''

یہاں صِبغہ سے مُراد رنگ یا پاؤڈر نہیں بلکہ اسلام مُراد ہے.

اسی طرح قولِ فاروق میں بدعت سے مُراد ہے: ''گذشتہ ایّام میں نہ پائی جانے والی چیز کو وجود میں لانا''۔ جبکہ یہ بھی نہیں کہ بالکلیہ سابق میں موجود نہ تھی۔ بلکہ اس کا اجراء سُنّتِ رسول ﷺ ہونے کے پیشِ نظر ہی کیا گیا تھا۔

❷ اعتراض:

دوسری دلیل کے طور پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم پر اعراب نہیں تھے وہ حجاج بن یوسف ثقفی نے لگوائے۔ پھر یہ عمل بھی بدعت ہوا۔

جواب:

جبکہ یہ محض مغالطہ اور غلط فہمی ہے۔ ورنہ اعرابِ قرآن ''بدعت'' کے ضمن میں ہرگز نہیں آتا۔ بلکہ یہ ''مصالح مرسلہ'' کے باب سے ہے، یعنی ''دینی اُمور میں سے کسی حرج کو رفع کرنے اور کسی ضروری امر کی حفاظت کے لئے کوئی اقدام کرنا''۔ بات دراصل یہ تھی کہ عہدِ حجاج میں دولتِ اسلامیہ بہت زیادہ پھیل گئی تھی اور عرب وعجم کا اختلاط اور باہم رشتہ داریاں ہورہی تھیں، جس کے نتیجہ میں لغتِ عربی میں کمزوری آنے لگی۔ اور ''لحن'' عام ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ خود حجاج ایک فصیح و بلیغ عرب ہونے کے باوجود قرآن کریم کے بعض حُروف میں لحن (یعنی قواعد کی خلاف ورزی) کرجاتا تھا۔ اور زیر والے حروف کو زَبر سے یا زَبر والے کو زیر سے پڑھ جاتا تھا. اور یحیٰ بن یعمر نے اس پر نکیر بھی کی تھی۔ ۲۳

لہٰذا حفاظتِ تلفّظ کے لئے اعراب ضروری تھا. کیونکہ ''جس چیز کے بغیر کوئی واجب ادا نہ کیا جاسکے، وہ بھی واجب ہوتی ہے''۔ لہٰذا اعرابِ قرآن کو قطعاً میلاد کے لئے بطورِ استدلال استعمال نہیں کیا جاسکتا، اوران مصالح مرسلہ کی کئی دیگر مثالیں بھی موجود ہیں مثلاً:۔

جمع وتدوینِ قرآن، جو کہ عہدِ صدیقی وعثمانی میں عمل میں آئی، وہ بدعت کے قبیل سے ہرگز نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حفاظتِ قرآن مسلمانوں پر واجب ہے۔ اور یہ امورِ کمالیات وتحسینات کے باب سے ہیں۔

جمعہ کی پہلی آذان، مساجد کے منارے، محرابیں، مساجد میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال بھی اسی قبیل مصالح سے ہے۔ ۲۴

۲۳۔ انظر البدایہ والنہایہ ۱۲۶/۹/۵۔

۲۴۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: الانصاف (لابی بکر الجزائری) ص۲۰ تا ۲۶۔

اورحضرت ابوبکر صدّیق ؓ کا مانعینِ زکوٰۃ سے جنگ کرنا۔حضرت فاروق ؓ کا ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ہی نافذ کر دینا۔اور صدقات سے مؤلفۃ القلوب کا حِصّہ بند کرنا، خراج' دیوان اور جیلوں کو جاری کرنا۔اور عامۃ المجاعۃ (بھوک وقحط سالی) میں چوری کی حد (ہاتھ کاٹنے) کو موقوف کرنا وغیرہ سب اپنے اپنے وقت کی اہم ضرورتیں اور دینی اعتبار سے مفید اور دافع ضرَر اُمور تھے۔اسی طرح ہی ائمہ مجتہدین کی طرف سے بھی بعض قواعد وضع کیئے گئے ہیں جو کہ مصالح مرسلہ ضروریہ میں سے ہیں۔ ۲۵؎

❸ اعتراض:

جشنِ میلاد کے دلدادگان (یعنی چاہنے والے) یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ حصُولِ نعمت پر ذکر و شکر واجب ہے .اور نبی اکرم ﷺ کی ولادت بھی ایک عظیم نعمت ہے لہٰذا شکرانِ نعمت کے طور پر یہ جشن مناتے اور خوشیاں کرتے ہیں۔

جواب:

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ صحیح ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وجودِ مسعُود ایک نعمتِ عظمٰی ہے۔اور یہ بھی دُرست ہے کہ شکرانِ نعمت واجب ہے،مگر یہ کہاں لکھا ہے کہ ذکر وشکرِ نعمت کے لئے جلوس نکالنا جلسے کرنا،بھنگڑے ڈالنا،سبیلیں لگانا اور قوالیاں سُننا ضروری ہے۔ اور کیا صحابہ و تابعین،ائمہ مجتہدین حتیٰ کہ خود صاحبِ میلاد نے ایسے ہی اس نعمت کا شکریہ ادا کیا تھا؟اگر نہیں تو پھر ہمیں اس کا حق کِس نے دیا؟ اور اگر اسی طرح شکرِ نعمت واجب ہے تب تو پھر کاروبارِ زیست ٹھپ کرنا پڑیں گے۔تاکہ ہر روز جلوس وجشن کا اہتمام کیا جاسکے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی

۲۵؎ تفصیل کے لئے دیکھئے: الاعتصام للشاطبی ۱/۱۱۵ وعلم اصول الفقہ للشیخ عبدالوہاب خلاف،ص ۸۵،ارشاد العقول فی بدعۃ الاحتفال بمولد الرسول للشیخ عبا الحمید عبدالمحسن رکن مرکز دعوت وارشاد، دبئ ص ۱۵ تا ۱۸،کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق للشیخ عبداللہ آلِ محمود آف قطر ص ۲۸ تا ۳۲۔

نعمتوں کا تو شمار ہی مشکل ہے۔

جیسا کہ سورۃ النحل آیت ۱۸ اور سورۂ ابراہیم آیت ۳۴ میں خود باری تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿اِنْ تَعُدُّوْ انِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکو گے۔''

اگر ذکر و شکرِ نعمت کا صحیح طریقہ اختیار کیا جائے، سنن رسول اللہ ﷺ کو اپنایا جائے، تو پھر یہ ہر مسلمان ہر روز کرتا ہے. نہ کہ سال میں صرف ایک دن۔ **فَلْيَتَدَبَّرْ.**

4 اعتراض:

عید میلاد کے جواز کی دلیل کے طور پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ یومِ عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اس کا حکم بھی فرمایا تھا. اور چونکہ یہ دن مبارک تھا، اس دن کو یہودی بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور ان کی قوم کو فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دلائی تھی۔ اور ہمیں بالاولیٰ چاہیئے کہ نبی ﷺ کی ولادت کے بابرکت دن کا روزہ رکھیں۔

جواب:

اندازہ فرمائیں کہ کتنی ٹیڑھی سوچ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تو روزہ رکھا، اور اس کا حکم فرمایا۔ مگر آج کے میلادیئے روزہ رکھنے کی بجائے دستر خوان سجاتے، سبیلیں لگاتے، قوالیاں سُنتے اور بھنگڑے ڈالتے ہیں۔ اَلعِیَاذُ بِاللّٰہ:

آپ ﷺ نے یومِ عاشوراء کا روزہ رکھا، مگر اپنے یومِ ولادت کے بارے میں آپ ﷺ سے ایسی کوئی چیز ثابت نہیں تو ہمیں آپ ﷺ کی اتباع کرنی چاہیئے نہ کہ اپنی طرف سے ابتداع، نہ روزہ کی شکل میں اور نہ ہی لہو و لعب کے انداز میں۔

اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ یومِ عاشوراء کا روزہ تو قریش پہلے ہی رکھا کرتے تھے اور ممکن ہے

کسی سابقہ شریعت سے انہوں نے اس کا حکم لیا ہو۔ جیسے حُرمت والے چار مہینوں کا احترام کرنا اور حج کرنا وغیرہ ہیں۔ اور عہدِ جاہلیّت میں لوگوں کے روزہ رکھنے کا ثبوت صحیح بخاری (۲۴۴/۴ مع الفتح) اور صحیح مسلم (۵/۷ مع النووی) میں موجود ہے۔ اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو روزہ رکھتے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیسا روزہ ہے؟ اور انہوں نے نجاتِ موسیٰ کا واقعہ بتایا اور کہا ہم اسی کے شکرانے کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں موسیٰ علیہ السّلام پر تم سے زیادہ حقدار ہوں۔ لہٰذا آپ ﷺ نے بھی روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا۔ تو اس کے بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے کہ:

''نبی اکرم ﷺ نے (یہود سے سن کر) اس روزے کی ابتداء نہیں کی'' بلکہ صحاح وسنن میں مذکورہ صحیح حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ:

''عہدِ جاہلیّت میں بھی قریش روزہ رکھا کرتے تھے''۔

اور امام قرطبی فرماتے ہیں کہ:

ہوسکتا ہے قریش دینِ ابراہیم ں کے کسی حکم پر روزہ رکھتے ہوں۔ اور نبی اکرم ﷺ کا روزہ رکھنا موافقتِ دینِ ابراہیم ں کے سبب ہو، جیسا کہ حج کا معاملہ ہے. اور پھر جب یہود کو روزہ رکھتے دیکھا تو ان کی تالیفِ قلب کے لئے بھی روزہ رکھا اور اس کا حکم فرمایا ہو. اور اس میں بھی کوئی امرِ مانع نہیں کہ فریقین ایک ہی دن کا روزہ دو الگ الگ اسباب کی بنا پر رکھتے ہوں۔ [۲۶]

5 اعتراض:

بعض قائلینِ مِیلاد تو اس حد تک جسارت کر جاتے اور کہہ دیتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے یومِ

۲۶۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباری شرح صحیح بخاری، حافظ ابن حجر ۲۴۸/۴۔ طبع دارالافتاء الریاض۔

ولادت پر ایک مینڈھا بطورِ عقیقہ ذبح کیا کرتے تھے۔تو ہم لوگ کیوں نہ عیدِ میلاد منائیں۔

جواب:

سب سے پہلے تو عقیقہ کا معنی سمجھ لیں۔امام ابن قدامہؒ لکھتے ہیں کہ:
عقیقہ اس ذبیحہ کو کہتے ہیں جو بچّے کی طرف سے ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ کھانا جو بچّے کی ولادت کی خوشی میں پکایا اور کھلایا جائے .وہ عقیقہ کہلاتا ہے .۲۷
اوران کا کہنا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک سنّت یہ ہے کہ بچّے کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جائے اور تب نہ ہو سکے تو چودھویں دن ہو یا پھر اکیّسویں دن۔جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ ۲۸
اور جو شخص بالغ ہو جائے اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو، اس میں اختلاف ہے کہ وہ اپنی طرف سے عقیقہ کرے یا نہیں؟
بہر حال اگر جواز والوں کی بات ہی لے لی جائے تو عمر میں ایک مرتبہ عقیقہ کرنا ہوگا اور پھر ہمیشہ کے لئے یہ سِلسلہ ختم ہو جائے گا۔ چہ جائیکہ ہر سال عقیقہ کیا جائے اور کِسی قطعی طریق سے ہرگز ثابت نہیں کہ نبّوت ملنے کے بعد آپ ﷺ نے ایک مرتبہ بھی عقیقہ کیا ہو۔کہاں ہر سال عقیقہ کا دعویٰ۔
اور جس روایت میں وارد ہوُا ہے کہ آپ ﷺ نے نبّوت ملنے کے بعد اپنی طرف سے عقیقہ کیا۔اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔
یہ مسند بزار کی روایت صحیح ثابت نہیں ہے۔اور خود امام بزار کا کہنا ہے کہ:
یہ روایت بیان کرنے میں عبداللہ اکیلا منفرد ہے۔اور وہ ضعیف ہے۔

۲۷۔المغنی امام ابن قدامہ ۹/۴۵۸۔طبع الریاض۔
۲۸۔المغنی امام ابن قدامہ ۹/۴۶۱۔طبع الریاض۔

آگے فرماتے ہیں:

امام عبدالرزّاق، صاحبُ المصنّف کا کہنا ہے کہ محدّثین نے صرف اس روایت کے بیان کرنے کی وجہ سے عبداللہ بن محرّر سے روایت لینا ہی ترک کر دیا۔ تو گویا اس روایت کے بیان کرنے نے عبداللہ بن محرّر کی ثقاہت ہی مٹا دی تھی۔ لہٰذا اس سے کسی قسم کا استدلال کیسے دُرست ہوسکتا ہو؟ ۲۹

❻ اعتراض:

جبکہ اِسی سلسلہ میں ہی اُن کے بعض مُناظر لوگ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ پیر کے دن روزہ رکھا کرتے تھے کیونکہ اس دن آپ ﷺ پیدا ہوئے تھے۔ اور پھر اسی سے عیدِ میلاد کا جواز پیدا کرتے ہیں۔

جواب:

عرض یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ پیر کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اُنہی احادیث میں جمعرات کے روزے کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی (وصحّحہ ابن حبان) میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ پیر اور جمعرات کا کوشش کر کے روزہ رکھا کرتے تھے۔ جبکہ نسائی اور ابوداؤد (وصحّحہ ابن خزیمہ) میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت اسامہص کے پوچھنے پر بتایا کہ پیر اور جمعرات کو بندوں کے اعمال، اللہ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور میں یہ بات پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں اٹھائے جائیں کہ میں روزے سے ہوں۔ ۳۰

اور صحیح مسلم وترمذی میں بھی پیر اور جمعرات کے روزہ کی یہی وجہ بیان ہوئی ہے۔ اور مسلم کی ایک حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ پیر کے روزے کے بارے میں آپ ﷺ نے

۲۹۔ راجع فتح الباری ۱۲/۱۲۔ ۳۰۔ فتح الباری ۴/۲۳۶۔

۳۱۔ ریاض الصّالحین، ص ۴۸۸ تا ۴۸۹، مراجعہ الأرناؤوط۔ طبع دمشق (شام)

فرمایا کہ اسی دن میں پیدا ہوا تھا، اور اسی دن میں مبعوث کیا گیا یا مجھ پر وحی نازل کی گئی تھی۔ [۳۱]
ان تمام احادیث سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ پیر و جمعرات کے روزے کا اصل سبب اعمال کا پیش کیا جانا ہے۔ اور اضافی سبب (صرف پیر کے روزہ کے لیئے) یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ اسی دن پیدا ہوئے تھے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کا روزہ رکھنا محض ولادت کی وجہ سے ہوتا تو آپ ﷺ صرف پیر کا روزہ رکھتے۔ جمعرات کا نہ رکھتے۔ پھر پیر کا روزہ بھی سال میں ایک مرتبہ رکھتے جو آپ ﷺ کی تاریخِ ولادت کے موافق ہوتا، ہر ہفتہ میں نہ رکھتے۔ کیونکہ کسی واقعہ کی یاد سال میں ایک مرتبہ ہی منائی جاتی ہے نہ کہ ہر ہفتے میں ایک مرتبہ۔

لٰہذا معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا روزہ رکھنا اعمال کے اللہ کے سامنے پیش کیئے جانے کی وجہ سے تھا۔ اور اگر کوئی حُبِّ رسول کا دم بھرنے والا ہے تو وہ ہر ہفتے میں پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرے، جو کہ سنّتِ رسول ہے، نہ کہ بدعات کا ارتکاب کرے۔ اور بدعات کے جواز کے لیئے احادیث کا مفہوم توڑ موڑ کر بیان کرتا پھرے۔ اور روزے کی بجائے۔ اکل و شُرب کی محفلوں کی طرف دعوت دیتا پھرے۔

اور نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ہرگز ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے ربیع الاوّل (۹ یا ۱۲) کا روزہ کبھی رکھا ہو جو کہ آپ ﷺ کا یومِ ولادت ہے۔

لٰہذا اگر کوئی شخص ہر سال اس دن کا روزہ اس نیّت سے رکھے تو یہ گویا نبی ﷺ سے پیش قدمی، شریعت سازی اور نعوذُ باللہ نبی ﷺ کو شریعت آموزی ہے۔

وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ۔

⑦ اعتراض:

ان کی ساتویں دلیل یہ ہوتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں تریسٹھ اُونٹ اپنے دستِ

مبارک سے ذبح کئے تھے۔ بعض لوگ بڑی دور کی کوڑی لاتے اور اس سے عجیب نتیجہ نکالتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا تریسٹھ اُونٹ ذبح کرنا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ نے ہر سال کے بدلے میں بطورِ عید میلاد ایک اُونٹ ذبح فرمایا۔

جواب:

بدعت ساز اور بدعت نواز لوگ پہلے ایک چیز ایجاد کرتے ہیں اور پھر اسے ثابت کرنے کے لئے نصوص کا آپریشن کر کے انہیں اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ جبکہ درحقیقت ان کی اس دلیل اور دلیل دینے والے میں کوئی ربط و تعلق نہیں۔ کیونکہ:

(۱) معروف بات ہے کہ آپ ﷺ نے وہ اُونٹ دس ذوالحج کو ذبح کئے تھے۔ جو کہ بارھواں مہینہ تھا۔ جبکہ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاوّل (۹ یا۱۲) کو ہے جو کہ اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے۔ لہٰذا ان قربانیوں اور عیدِ میلاد میں کیا مناسبت ہے؟

(۲) اگر ان قربانیوں سے عیدِ میلاد کا جواز ثابت بھی کرنا ہو تو پھر عیدِ میلاد بھی دس ذوالحج کو ہی ہونی چاہیئے۔ نہ کہ ربیع الاوّل میں۔

(۳) نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سو (۱۰۰) اُونٹ کی قربانی دی تھی. ان میں سے تریسٹھ (٦٣) اُونٹ تو آپ ﷺ اپنے ساتھ مدینہ منوّرہ سے لائے تھے اور سینتیس (٣٧) اُونٹ حضرت علی ص یمن سے لائے تھے. اور شرح مسلم نووی (۱۹۲/۸) میں قاضی عیاضؒ کے بقول:

آپ ﷺ نے تریسٹھ (٦٣) اُونٹ اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمائے جو آپ ﷺ اپنے ساتھ لائے تھے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں مذکور ہے:

اور حضرت علی ص کو وہ سینتیس (٣٧) اُونٹ ذبح کرنے کے لئے دیئے گئے، جنہیں وہ یمن سے

آپ ﷺ کے لئے لائے تھے۔اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کے تریسٹھ(۶۳) اُونٹ ذبح کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال ہی لایعنی ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے جواُوپر ذکر ہوئی۔

(۴) بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کا تریسٹھ (۶۳) اُونٹ ذبح کرنا تو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ عمرِ شریف کے تریسٹھ (۶۳) سال پورے ہوگئے ہیں اور زیست کی انتہا ہوگئی ہے۔ اور واقعی حجۃ الوداع کے موقع پر اس کی طرف اشارے بھی ہوگئے کہ اس حیاتِ مستعار کے خاتمے اور اس جہانِ فانی سے کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے۔ مثلاً:-

یومِ عرفہ میں آیت (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ـ ـ ـ) کا نزول' ایامِ تشریق میں سورۃ الفتح کا نزول، آپ ﷺ کا بار بار خطبات ارشاد فرمانا، اور خطبات میں اشارہ کرنا کہ شاید اس سال کے بعد ہم یہاں اکٹھے نہ ہوسکیں وغیرہ۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اگر تریسٹھ سال کا عدد کسی بات کی دلیل ہے تو وہ صرف اس کی کہ تریسٹھ سال کی عمر مکمل ہوگئی ہے۔ اب ان سالوں میں کسی سال کا اضافہ نہیں ہوگا۔ نہ کہ یہ ابتدائے میلاد کی علامت تھا۔ کہاں ابتداء اور کہاں انتہاء؟

⑧ اعتراض:

عیدِ میلاد کا جواز ثابت کرنے کے لئے امام سیوطی ((اَلْمَعْرُوْفُ عِنْدَ الْمُحَدِّثِيْنَ بِحَاطِبِ اللَّيْلِ يَعْنِي يَجْمَعُ بَيْنَ الشَّيْئِ وَ ضِدِّهٖ)) نے الحاوی فی الفتاوی میں ایک تاریخی روایت بیان کی ہے کہ:

خواب میں کسی (عباس بن عبدالمطلب) کو ابولہب خائب و خاسر ملا اور اس نے بتایا کہ مجھے عذاب ہوتا رہتا ہے سوائے اس کے کہ ہر پیر کی رات کو' اُس دن عذاب میں کچھ تخفیف ہوتی ہے۔ اور اپنی اُنگلیوں کے درمیان سے چند قطرے پانی بھی چوسنے کو ملتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ جب میری کنیز ثویبہ نے مجھے محمد ﷺ کی ولادت کی خبر دی تھی تو میں نے اُسے آزاد کر دیا تھا اور

پھر اسی نے آپ ﷺ کو دودھ بھی پلایا تھا۔

جواب:

یہ قِصّہ اوراس سے جوازِ میلاد کی دلیل لینا کئی طرح سے غلط ہے۔مثلاً:۔

(۱)اس بات پر تمام اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ کسی نبی کے خواب کے سِوا(کہ نبیوں کا خواب وحی وحق ہوتا ہے)کسی دوسرے کا خواب کوئی شرعی حیثیّت نہیں رکھتا۔

(۲) یہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما ہیں یا کوئی اور ہے؟ اور پھر ان سے جس نے روایت بیان کی ہے،انہوں نے بالواسطہ بیان کی ہے۔لہٰذا یہ روایت مُرسل ہوئی جس سے مسائلِ عقائد کے بارے میں استدلال صحیح نہیں۔ [۳۲]

(۳)اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت عباس ص نے زمانہ قبل از اسلام میں یہ خواب دیکھا ہواور کفر کی حالت میں دیکھے گئے خواب کہاں حجّت ہونگے۔جبکہ مومن ومتقی کا خواب بھی حُجّتِ شرعی نہیں ہوتا،سوائے انبیاء علیہم السّلام کے خواب کے۔

(۴)اکثر اہلِ علم کا خیال ہے کہ کافر اگر کفر پر ہی مرجائے تو اسے اس کے کسی عمل کا ثواب نہیں ملتا۔اور یہی صحیح بھی ہے۔کیونکہ سورۂ فرقان آیت ۲۳ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَآءً مَّنْثُوْراً﴾

”اور ہم ان(کفّار)کے اُن اعمال کی طرف متوجّہ ہوں گے جوانہوں نے (دُنیا میں) کیئے تھے۔تو اُن (اعمال)کواُڑتی ہوئی خاک کی طرح کر دیں گے۔“

اور سورۂ کہف آیت ۱۰۵ میں فرمانِ الٰہی ہے:

۳۲۔جبکہ علماء کے صحیح تر قول کے مطابق مرسل روایت صرف عقائد ہی میں نہیں بلکہ احکام میں بھی قابلِ حجّت نہیں ہوتی۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کردیا، اوراس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا. پس اس لیئے ان کے سارے اعمال (کفر کی وجہ سے) ضائع ہو گئے۔ قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔''

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں فرمانِ الٰہی سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی حالتِ کُفر پر مر جائے تو اس کے کسی عمل کا ثواب اسے نہیں ملتا۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ:

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ عبداللہ بن جدعان جو ہر حج کے موقعہ پر ایک ہزار (۱۰۰۰) اُونٹ ذبح کیا کرتا تھا اور ایک ہزار آدمیوں کو حُلّے پہنایا کرتا تھا اور جس کے گھر میں حلف الفضول کا معاہدہ طے ہوا تھا (جس میں نبی ﷺ بھی شامل تھے) کیا اسے یہ چیزیں فائدہ پہنچائیں گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ کیونکہ اس نے عمر بھر کبھی یہ نہیں کہا کہ اے اللہ! قیامت کے روز میرے گناہوں کو بخش دینا''۔ [۳۳]

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ابولہب کے خواب کی کوئی قیمت نہیں، نہ اس سے استدلال صحیح ہے۔

(۵) ابولہب کی خوشی ایک طبعی امر تھا (کہ وہ چچا تھا) نہ کہ اس کی خوشی کوئی تعبّدی نقطۂ نظر سے تھی۔ اور جب کوئی خوشی اللہ کے لئے نہ ہو بلکہ اپنے یا کسی قریبی کے یہاں بچّے کی پیدائش پر فطری و طبعی خوشی ہو تو اس پر ثواب نہیں ہوتا۔ اس بات سے بھی اس روایت کا ضعیف و کمزور اور جھوٹا ہونا واضح ہوتا ہے۔

۳۳۔ بحوالہ الانصاف للجزائری۔ ص ۴۱

(٦) مومن تو اپنے نبی ﷺ کے وجود سے ہر وقت خوش رہتا ہے۔لہٰذا اس کے لئے سال میں ایک مرتبہ اظہارِ خوشی کا موقع (میلاد) ایجاد کرنا، کسی طرح بھی لائق نہیں ہے۔

المختصر، خرافیوں کے ان اور ایسے ہی دیگر بودے، بے جان اور بے سروپا دلائل، ان کی دُور از کار تاویلوں، چابکدستیوں اور عیّاریوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکتہٗ

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان المحکمۃ الکبریٰ، الخبر ٣١٩٥٢ (سعودی عرب)

کتابیات

نمبر شمار	کتاب
۱	قرآن مجید
۲	تفسیر ابن کثیر
۳	طبقات ابن سعد
۴	دلائل النبوّۃ۔ بیہقی
۵	فقہ السیرۃ علاّمہ محمد الغزالی بتحقیق علاّمہ البانی
۶	سنن ترمذی
۷	تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی علاّمہ عبدالرحمٰن مبارکپوری
۸	زاد المعاد علاّمہ ابن قیّم بتحقیق الاناؤوط
۹	سیرت النّبی ﷺ علاّمہ شبلی نعمانی
۱۰	رحمۃٌ لِّلعالمین ﷺ علاّمہ قاضی سلیمان منصور پوری
۱۱	مجمع الزوائد امام ہیثمی
۱۲	الفتح الربانی شرح وترتیب مسند احمد الشیبانی، علاّمہ احمد عبدالرحمٰن البنّاء
۱۳	البدایہ والنہایہ امام ابن کثیر
۱۴	محمد ﷺ القدوۃ الکاملۃ وزارتِ امور اسلامیہ، دبئی
۱۵	حدائق الانوار، ادارہ امور دینیہ، قطر
۱۶	تفسیر امام قرطبی (الجامع لاحکام القرآن)
۱۷	الانصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والاجحاف، ابوبکر جابر جزائری
۱۸	الترغیب والترھیب للمنذری بتحقیق محمد محی الدین عبدالحمید

نمبر شمار	کتاب
۱۹	مشکوٰۃ بتحقیق ،علاّمہ البانی
۲۰	المرعاۃ شرح المشکوٰۃ ،علاّمہ عبیداللہ رحمانی
۲۱	صحیح ابی داؤد ،للالبانی
۲۲	صحیح الترمذی ،للالبانی
۲۳	سنن ابن ماجہ بتحقیق محمد فؤاد عبدالباقی
۲۴	موارد الظمآن بزوائد صحیح ابن حبان امام ہیثمی بتحقیق محمد عبدالرزاق حمزہ
۲۵	مستدرک حاکم
۲۶	مسند احمد
۲۷	صحیح الجامع الصغیر للالبانی
۲۸	سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی
۲۹	کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق شیخ عبداللہ بن زید آل محمود۔قطر
۳۰	فتاویٰ المنار علاّمہ رشید رضا۔مصری
۳۱	الاعتصام للشاطبی
۳۲	علم اصول الفقہ شیخ عبدالوھاب خلاف
۳۳	ارشاد العقول فی بدعۃ الاحتفال بمولد الرسول ﷺ۔مرکز الدعوۃ ،دبئ
۳۴	فتح الباری شرح صحیح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی ،طبع دار الافتاء
۳۵	ریاض الصالحین امام نووی مراجعۃ الارناؤوط
۳۶	المغنی امام ابن قدامہ المقدسی